پروفیسر محمد ایوب قادری

اسلام اور زراعت

اسلام سے قبل عرب کی زراعتی حالت

اگر ہم اسلام سے قبل عرب کی زراعت پر نظر ڈالیں تو ہمیں خاص خاص مقامات کا جائزہ لینا ہوگا۔ اول طائف کو لیجیے وہاں بنو عامر صاحبِ زمین تھے، اور بنو ثقیف غریب تھے، بنو ثقیف نے بنو عامر سے معاہدہ کیا کہ ہم پیداوار کا کچھ حصہ دیں گے، زمین برائے کاشت دی جائے۔ اس طرح بنو ثقیف نے بنو عامر کی زمینوں پر کاشت کی، آہستہ آہستہ بنو ثقیف کی حالت بہت اچھی ہوگئی اور خود بنو عامر اپنی سُستی، کاہلی اور عیاشی سے کمزور ہوگئے۔ بنو ثقیف نے بنو عامر کو شکست دی اور صاحبِ اقتدار ہوگئے۔ یہ زراعت کے برکات تھے، یہ طائف کا جائزہ ہے۔

مکہ ایک وادی غیر ذی زرع ہے، جہاں زراعت کے امکانات نہیں اور تجارت ہوتی تھی۔

مدینہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ خاص طور پر کسانوں کا شہر تھا، یہاں کے لوگ زراعت پیشہ تھے اور وہ بڑے اچھے کاشت کار تھے۔ زراعت کی باریکیوں سے واقف تھے، مدینہ کے قرب وجوار میں نخلستان تھے، جَو اور گیہوں کی کاشت بھی ہوتی تھی، بہت سے کھیت اور باغات ایسے تھے، جہاں کھجور، انجیر، انار، انگور اور شفتالو وغیرہ پیدا ہوتے تھے۔

مدینہ میں لگان ادا کرنے کے طریقے

عام طور سے اس وقت لگان ادا کرنے کے چار طریقے رائج تھے۔ کاشت کار جو زمین کاشت کے لیے زمیندار سے لیتا، اس کے عوض زمیندار کی کچھ خاص زمین پر محنت کرکے اس میں کاشت کرتا، اور یہ کاشت بطور لگان کے ہوتی۔ (۲) کبھی خشکی کا حصہ کاشت کار کو ملتا اور تری کا حصہ زمیندار کو ملتا، اس طرح لگان کی ادائی سمجھ لی جاتی۔ (۳) کبھی پیداوار کا حصہ زمیندار لے لیتا، مثلاً تہائی، چوتھائی وغیرہ۔ (۴) کاشت کار کبھی تو لگان میں کچھ ادا کرتا اور کبھی زمین کے معاوضہ میں دوسری پیداوار کچھ وغیرہ دیتا۔

خاص بات یہ ہے کہ نقد، سونا یا چاندی لگان کی شکل میں دینے کا رواج نہ تھا۔

عہدِ اسلام میں زراعت

اسلام کے نظامِ معیشت میں زراعت کی اہمیت تجارت سے کم نہیں ہے۔ قرآنِ پاک میں متعدد مقامات پر زراعت کی فضیلت اور اس کی اہمیت کا سراغ ملتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے باغات اُگائے، جن میں ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں اور بن ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں، کھجور کے درخت اور کھیتی اُگائی، جن کے مزے مختلف ہیں۔ نیز زیتون اور انار کے درخت اُگائے، بعض تو مزے اور شکل میں یکساں ہوتے ہیں اور غیر یکساں بھی۔ اور جب پھل پک جائیں تو انھیں کھاؤ۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"انسان کو چاہیے ذرا اپنے کھانے پر بھی نظر ڈالے۔ ہم نے زور شور سے پانی برسایا اور زمین کو پھاڑ ڈالا۔ پھر زمین سے انگور، کھجور، زیتون، ترکاری اور اناج اُگائے اور گھنے باغات اگائے۔ اور میوہ اور چارہ بھی، جو تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں۔"

کہیں ارشادِ خداوندی ہے:

"بتاؤ تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان ڈالا گیا۔ بلکہ ہم تو محروم رہ گئے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کے متعلق گرانقدر ارشاد فرمائے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے "تم اپنی روزی زمین کی پوشیدگیوں میں تلاش کرو۔"

امام سرخسی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زمین کی پوشیدگیوں میں روزی تلاش کرنے سے مراد زراعت ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی زراعت کرتا ہے، پھر کوئی پرندہ یا آدمی یا جانور اس میں سے کھا لیتا ہے، تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے ——— علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ چونکہ زراعت کا فائدہ ہر مومن و کافر بلکہ ہر جاندار کو پہنچتا ہے اس لیے اس پر اجر ملنے کے واسطے کسی زمین میں زراعت کی ہو، چاہے وہ انسانوں اور جانوروں کے کھا لینے سے کتنی ہی رکاوٹ پیدا کرے لیکن اگر جانور اس میں سے کھا لیں تو زراعت کرنے والے کو اس کا اجر ضرور پہنچے گا۔ امام سرخسی نے اپنی کتاب میں یہ تحقیق

کی ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقام "جرف" میں زراعت فرمائی ہے۔ بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت عمرو بن العاص نے طائف سے تین میل دور ایک قریہ میں انگور کی بیلیں چڑھائی تھیں، اور ہر بیل کے انگور ایک درہم میں فروخت ہوتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

"جو ملک قابلِ کاشت زمین رکھتا ہو، اس کے باشندے زراعت سے غفلت یا بے پرواہی برتیں تو اس ملک کی تباہی میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ عیش پرستانہ سامانِ صنعت کے مقابلے میں ملک کی دیرپا ترقی زراعت سے وابستہ ہے، اس لیے کہ تجارت اور صنعت سب کا دارومدار خام پیداوار پر ہے۔ اگر ملک کی زمین قابلِ کاشت ہے اور پھر کاشت نہیں کی جاتی تو وہ ملک نہ صرف یہ کہ تجارتی اور صنعتی میدان میں پیچھے رہے گا بلکہ اپنی ضروری گزر بسر کے لیے بھی دوسرے ملکوں کا دست نگر ہوگا۔"

(حجۃ اللہ البالغہ)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس گھر میں آلاتِ زراعت داخل ہوں گے اس گھر پر ذلت و خواری مسلط ہو گئی۔" اس حدیث کے ظاہری مفہوم اور سابقہ بیانات میں بظاہر سخت اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا ہے کہ یہ عام حکم نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاد کو ترک کر کے کاشت کاری پر قناعت نہ کی جائے۔ خدا بزدل اور حریص کو جہنم دیتا ہے، اور جس قوم میں بزدلی اور حرص کی خصلتیں پیدا ہو گئی ہوں اس کے لیے ذلت و خواری لازمی ہے۔ ابنِ قیم لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد اسلام کے معاشی نظام کو بیان کرنا نہیں بلکہ یہ ایک پیش گوئی ہے آنے والے حالات کے متعلق، جب مسلمان اپنی تمام قوتیں صرف زراعت کی طرف منعطف کر دیں گے تو ان کا کمزور ترین دشمن بھی ان پر جری ہو جائے گا۔

لگان و مالگزاری

زراعت دو طرح عالم وجود میں آتی ہے، ایک یہ کہ کوئی شخص زمین کو خود کاشت کرے اور دوسرے یہ کہ زمین کو کسی قسم کے مبادلے پر دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے۔ دوسری صورت میں کبھی صاحبِ زمین حکومت ہوتی ہے، اور کبھی کوئی فرد خاص۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین کی کیا

افرادِ ملک ہی کے ہاتھوں میں ہے، حکومت نے اس پر کوئی محصول مقرر کر دیا ہے۔ پس حکومت یا فرد اگر کسی کو ایک مقررہ شرح پر کاشت کے لیے زمین دے تو اس کو لگان کہا جاتا ہے، اور اگر زمین پر سالانہ محصول لگایا جائے تو اس کو مالگزاری کہتے ہیں۔ چونکہ قرآنِ کریم کی آیات مطلق تھیں اور ان میں لگان کی شرح کا تعین نہ تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف والیوں کے نام تقرری کے جو فرمان صادر فرمائے ان میں بھی لگان کا تذکرہ ہے۔ اس طرح مختلف قبیلوں کے سردار جب اسلام لے آتے تو آپ انھیں بھی لگان سے متعلق مختلف احکام بھیجتے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مفادِ عامہ کی خاطر صحابہ کے مشورے سے عراق، شام اور مصر کے بڑے بڑے زرخیز قطعات اراضی کو تقسیم نہیں کیا، اور تمام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا، اس کی پیمائش کرائی اور سیرابی کے اعتبار سے ملکیت قرار دیا۔ حضرت عمرؓ کے بعد دوسرے خلفا نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ غرض بندوبست اراضی کے ایسے جامع اور مفصل طریقے رائج کیے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھا کہ کاشت کار پر زیادہ بار نہ پڑے، جس کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے۔

لگان بصورت زر

لگان کے سلسلے میں یہ بات ضروری ہے کہ نہ تو کاشتکاروں کو نقصان ہو اور نہ زمین کے مالک کو، اس لیے مناسب طریقہ یہ ہے کہ لگان کا تعین زر کی شکل میں کیا جائے۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو نصف پیداوار پر دیا تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد کے زمانے میں بھی لوگ پیداوار کے کچھ حصے پر زمینوں کو کرایہ پر دیتے رہے۔ لیکن بخاری شریف کی ایک حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کا پتا چلتا ہے۔ آپ خود اس طرح پیداوار کی شکل میں لگان وصول کرنے کے طریقے کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ زر کی شکل میں لگان لینے کا طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا کہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھیت کی چوتھائی پیداوار پر یا کسی ایسی چیز کے بدلے میں جس کو زمین کا مالک مستثنیٰ کر لیتا تھا، زمین کو کرایہ پر دے دیا کرتے تھے، تو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔ میں نے رافع سے کہا کہ دینار اور درہم کے عوض کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ انھوں نے کہا دینار اور درہم کے بدلے کچھ حرج نہیں۔

کاشت کار کی حیثیت

زراعتی جماعت میں زمیندار اور کاشت کار کے دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ زمیندار، آقا، مالک کی حیثیت

رکھتا ہے اور کاشت کار غلام کی۔ کاشت کار کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اسلام اس امتیاز کو یک دم ختم کرتا ہے۔ اس کی نظر میں زمیندار اور کاشت کار دونوں برابر کے معاملہ دار ہیں۔ ایک صاحبِ زمین یا مستاجر ہے اور دوسرا شریکِ عمل یا اجیر، نہ کہ غلام۔ کیونکہ ایک جانب دولت (زمین) ہے، تو دوسری جانب بھی دولت (بیج اور آلاتِ حرث اور محنت) ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ایک آقا اور دوسرا غلام ٹھہرے۔ ایک مثال سے اندازہ لگایئے کہ ایک غیر مسلم (ذمی) نے حضرت عمرؓ سے یہ شکایت کی کہ جب اسلامی فوج میرے گاؤں سے گزر رہی تھی، اس نے میری کھیتی کو روند ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر دس ہزار درہم بطور تاوان ادا کر دیے۔ مزارعت میں کاشت کار اور زمیندار کا تعلق مضاربت کے تحت آتا ہے۔ اس طرح یہ باہمی اشتراک ہے نہ کہ آقائی و غلامی۔

عشری و خراجی زمین

اگر زمین افراد ملک کی ذاتی ملکیت ہے اور حکومت اجتماعی حق سالانہ محصول لیتی ہے تو اس صورت میں وہ زمین عشری ہوگی یا خراجی۔ اگر زمین عشری ہے تو ہر پیداوار پر عشر لیا جائے گا، جو سال میں دو سال میں دو تین مرتبہ تک ہو سکتا ہے۔ اور اگر خراجی ہے تو سال میں صرف ایک مرتبہ مال گزاری لی جائے گی، خواہ پیداوار سال میں دو مرتبہ ہو یا تین مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ — اگر خراجی زمین مسلمان خریدے تو اس زمین پر خراج ہی قائم رہے گا اور وہ عشری نہیں بن سکتی، اور اگر ذمی مسلمان کی زمین خریدے گا تو وہ خراجی ہو جائے گی، اس لیے کہ غیر مسلم پر عشر واجب نہیں ہے، اور اگر زمین کی مالک حکومت یا فردِ خاص ہے اور اجارہ پر کاشت کرائی جاتی ہے تو لگان سال میں ایک دفعہ لیا جائے گا۔ اگر بٹائی پر ہے تو پیداوار کے ساتھ مربوط ہے اور وہ مزارع کہلائے گا۔ باغ کی پیداوار کو مساقاۃ کہتے ہیں۔

زمین کے اقسام

اسلامی حکومت کے زیرِ اثر آنے والی زمینوں کی چار قسمیں ہیں۔ زراعت کے سلسلے میں ان کی تشریح ضروری ہے۔ (۱) وہ زمین جس کے مالک اسلام قبول کر لیں۔ (۲) وہ زمین جس کے مالک اپنے مذہب پر قائم رہیں مگر معاہدہ کے ذریعے اپنے آپ کو کسی اسلامی ملک کی فرمانبرداری میں دے دیں۔ (۳) وہ زمین جس کے مالک بزورِ شمشیر مغلوب ہوں۔ (۴) وہ زمین جو کسی خاص شخص کی ملک نہ ہو۔ اوّل قسم کی زمین کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا کا طرزِ عمل یہ رہا کہ وہ زمینیں بدستور اس کے

سابق مالکوں کی ملکیت تصور کی گئیں، اور اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قانونی انداز فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام لائی تو اس نے اپنی جانوں کو اور اپنے اموال کو اپنے لیے محفوظ کر لیا۔[1]

ایک دوسرے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اس سے بھی زیادہ جامع الفاظ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص کسی شے کا مالک ہوتے ہوئے اسلام قبول کرتا ہے وہ شے اس کی ملکیت ہے۔[1]

اس کی تشریح امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ کی ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کا خون حرام ہے۔ قبولِ اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک ہوں وہ انہی کی ملکیت رہیں گے۔ اس طرح ان کی زمینیں بھی ان کی ملکیت رہیں گی، اور وہ زمین عشری قرار پائے گی۔ اس کی نظیر مدینہ شریف ہے، جس کے باشندوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے، ان پر عشر لگا دیا گیا۔ ایسا ہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں سے بھی کیا گیا۔ اسی طرح بدویوں میں سے جن جن لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا وہ اپنے پانی اور زمین کے مالک تسلیم کیے گئے، ان کی زمین عشری زمین ہے، وہ اس سے بے دخل نہیں کیے جا سکتے اور انھیں اس پر بیع اور وراثت کے جملہ حقوق حاصل ہیں۔ بالکل اسی طرح آئندہ بھی جس علاقے کے باشندے اسلام قبول کر لیں وہ اپنے املاک کے مالک رہیں گے۔

قاسم ابن ابی عبید اس کی شرح میں فرماتے ہیں، جس علاقے کے باشندے اسلام لے آئے وہ اپنی زمینوں کے مالک قرار پائے، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین۔ مکہ اگرچہ بزورِ شمشیر فتح ہوا، لیکن رسول اللہ نے اس کے باشندوں پر احسان کیا، ان کی جانیں بخشیں۔ ابن القیم "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص اسلام لانے کے وقت جس چیز پر قابض تھا اس کے قبضے میں رہنے دی گئی، یہ نہیں دیکھا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے وہ چیز کس ذریعے سے اس کے قبضے میں آئی تھی، بلکہ اس کے ہاتھ میں اس طرح رہنے دی گئی جس طرح وہ پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ ہاں اگر کسی دوسرے حق دار نے حق کا دعویٰ کیا تو اس کے متعلق عدالتی کاروائی کی گئی۔ خلاصہ یہ کہ عہدِ نبوی اور عہدِ خلافت میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اسلام لانے والے قبائل یا افراد کی ملکیت کو ان سے چھین لیا گیا ہو۔[2]

---

[1] کتاب الخراج - امام ابو یوسف، ابو داؤد
[2] کتاب الاموال - قاسم بن ابی عبید

کیا گیا ہو۔

(۲) زمین قسمِ دوم کے متعلق معاہدہ کی پابندی اسلام کا دستور العمل رہا۔ قرآنِ پاک نے سورہ مائدہ میں جو سب سے آخری سورت ہے اس کی سب سے پہلی آیت میں یہ فرمایا: "اے ایمان والو! اپنے تمام معاہدوں کو پورا کرو۔" اس سورت میں آگے چل کر یہ بتایا گیا کہ "کسی قسم کا کینہ تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ انصاف نہ کرو، انصاف کرنا ہی پرہیزگاری کے قریب ہے۔"

نبی کریمؐ نے مسئلہ معیشت کے متعلق فرمایا کہ:

"مجھے قوی امید ہے کہ تم قوموں سے طاقت آزمائی میں غالب آجاؤ گے اور وہ مغلوب ہو کر تمھارے سامنے آئیں گی، اور مال کی پیش کش کے ذریعے وہ لوگ اپنی جانوں اور بیٹوں کی حفاظت کریں گے۔ اور تم ان سے صلح بھی کرلوگے، اگر تم ان سے صلح کرلو تو شرائط کی پوری پوری پابندی کرنا اور قرار داد سے زیادہ ان سے ہرگز نہ لینا، اس لیے کہ یہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔"[۴]

دوسری جگہ آپ نے فرمایا کہ "جس شخص نے کسی معاہد کے ساتھ ظلم کیا یا اس کے حق میں کوئی کمی کی، اس کو اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ دار بنایا یا اس سے کوئی چیز بھی بغیر اس کی رضا مندی کے لی تو قیامت کے دن اس ذمی کی جانب سے میں مدعی بن کر کھڑا ہوں گا۔"[۵]

قاضی ابو یوسف اس حدیث کے تحت کتاب الخراج میں فرماتے ہیں جو کہ قانونی دفعہ ہے کہ "غیر مسلموں سے جس قوم کے ساتھ اس شرط پر صلح ہو جائے کہ وہ حکومت کے وفادار رہیں اور مقررہ خرچ ادا کرتے رہیں گے تو وہ اہل ذمہ "ذمی" ہیں۔ ان کی اراضی، اراضیِ خراج ہیں ان سے بھی وہی کچھ لیا جائے گا جس پر ان سے صلح ہوئی ہے۔ ان کے ساتھ عہد پورا کیا جائے اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے ورنہ یہ ظلم ہوگا اور ان کو حکومت کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کا پورا پورا موقع حاصل ہوگا۔"

قسم سوم کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی زمینوں کا فیصلہ حکومت کی رائے پر موقوف ہے۔ بعض مفتوحہ علاقوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں تقسیم کر دیا تھا اور بعض مفتوحہ علاقوں کو آپ نے احسان کرکے اس

---

[۴] ابو داؤد
[۵] ابو داؤد۔ ابن ماجہ

کے سابق مالکوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا، جن کی مثالیں بہ ترتیب خیبر اور طائف ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے بعد عراق کی زمین سرکاری ملکیت قرار دی۔ غرض یہ کہ ان نظائر سے فقہا نے مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کیا۔ یعنی ایسی زمینوں کا فیصلہ صواب دید پر موقوف ہے۔ قرآن پاک نے سورہ انفال میں سب سے پہلی آیت میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "آپ سے لوگ "انفال" مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ انفال، اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے" اس آیت کا صاف منشا یہ ہے کہ انفال درحقیقت ملک کی ملک ہے اور حکومت ہی اس میں تصرف کا اختیار رکھتی ہے۔

قسم چہارم۔ ایسی زمینیں تمام فقہا کے نزدیک قومی ملکیت ہیں اور اس میں آبادکاری کے اصول پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی بے آباد زمین کو آباد کیا وہ اس کی ہے اور اس کی نسل کے لیے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے آبادکاری کے قبضے کو صحیح قانونی قبضہ قرار دینے کے لیے حکومت کی اجازت شرط رکھی۔ امام شافعیؒ نے اس شرط کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی، بلکہ وہ اس شرط کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے حق میں مداخلت تصوّر کرتے ہیں۔

اسلام نے زراعت کی ترقی کے لیے حسبِ ذیل تدابیر اختیار کیں :

۱۔ مال گزاری یا لگان کا کم سے کم ہونا۔

۲۔ کاشت کرنے والے کے لیے خصوصی حقوق و مراعات۔

۳۔ غیر مزروعہ زمین کو مزروعہ بنانا

۴۔ آب پاشی کے وسائل کو سہل اور وسیع بنانا

لگان اور مال گزاری کا کم سے کم ہونا

زراعت کی سہولتوں میں کافر و مسلم برابر ہیں، تخفیفِ لگان اور سہولت کا اسلام میں خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں خاص طور سے سہولت و تخفیفِ لگان کے واقعات ملتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حذیفہ کو دجلہ اور حضرت عثمان بن حنیف کو فرات کے علاقے میں بھیجا گیا تاکہ وہ خراج وصول کریں، خراج کی رقم معقول آئی تو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور تخفیف اور سہولت کی تاکید فرمائی۔

تخفیف لگان کے مسئلے کو پیشِ نظر رکھنے کی تنبیہ فرمائی۔ جب عراق کا خراج وصول ہو کر آیا تو آپ کو فہ و بصر

کے دس دس آدمیوں کا وفد بلا کر قسم لیتے کہ آیا یہ برضا و رغبت وصول ہوا ہے یا نہیں۔ کسی پر زیادتی تو نہیں ہوئی ہے۔ خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی۔

حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیف سے عراق کی پیمائش کرائی تو جنگل اور نہروں وغیرہ کو چھوڑ کر رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوا اور لگان حضرت عمرؓ نے مندرجہ مقرر فرمایا:

گندم	فی جریب	(۲½ بیگہ خام)	۸ر سالانہ
جَو	〃	〃	۴ر 〃
گنا	〃	〃	۸؏ر 〃
روئی	〃	〃	۴؏ر 〃
انگور	〃	〃	۸؏ر 〃
کھجور	〃	〃	۸؏ر 〃
تمام ترکاریاں	〃	〃	۱۲ر 〃

مصر کی زمین اچھی اور پیداوار معقول تھی لیکن ہر سال نیل کی طغیانی کی وجہ سے پیمائش کرانے کے بعد تخمینہ لگا کر لگان وصول کیا جاتا تھا۔ خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظمؓ کو پھر بھی اطمینان نہ ہوتا تو قسم لیتے کہ آیا لگان کی وصول یابی میں کاشتکاروں پر زیادتی تو نہیں ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فراعنہ مصر کے لگان کی وصول یابی کے طریقوں میں ترمیم کرکے ان کو آسان بنایا:

۱۔ نقد پیداوار دونوں صورتوں میں وصول کیا جائے جس میں کاشت کاروں کو سہولت ہو۔

۲۔ اوسط اور جمع بندی کے طریقے کو منسوخ کرکے تشخیص لگان میں زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کو اہمیت دی گئی۔

۳۔ حسبِ موقع رعایا کو جب سہولت ہو ادا کرے۔

۴۔ لگان کے علاوہ جملہ قسم کی وصول یابی بند کرے۔

یہ حکومت کا معاملہ رہا۔ اگر زمیندار اور کاشتکار کے درمیان مزارعت کا معاملہ ہو تو زمیندار کو کوئی ترجیحی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ کاشت کار کو حاصل ہے۔

خصوصی حقوق و مراعات

اسلام سے قبل عرب سے متصل دو بڑی حکومتیں تھیں یعنی ایران اور روم۔ ان کے دور میں کاشتکار

غلام محض تھا، اس کو کوئی رعایت نہ تھی، وہ قریب قریب محروم المعیشت تھا، اسلام نے ان مفاسد کو روکا۔

۱۔ یہ حکومتیں لگان وصول کرنے میں کاشتکاروں پر وحشیانہ مظالم کرتی تھیں اور آخر میں زمیندار بھی یہی ظلم کرتے تھے۔ اسلام نے اس کا انسداد کیا اور وصول یابی میں پوری پوری سہولت بہم پہنچائی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو وعیدیں سنائیں۔ اس کے باوجود اس قسم کا اگر کوئی واقعہ ہوا تو عامل معزول کیا گیا اور عمال کو صاف صریح حکم دیا گیا کہ اگر اہل خراج وقت پر ادا نہ کریں تو اس وقت تک مہلت دو جبکہ ان کو سہولت ہو جائے۔ ایک دفعہ شام کے ملک سے حضرت عمرؓ آرہے تھے، راستے میں تیز دھوپ میں کچھ لوگ دیکھے۔ معلوم ہوا کہ ان کو جزیہ ادا کرنے پر سزا دی جارہی ہے۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ادا کرنے سے مجبور ہیں تو آپ نے عامل سے سخت باز پرس کی۔ اسی طرح والیِ شام نے جب وصولی میں دیر کی تو آپ نے جواب طلب کیا۔ اس نے کہا کہ آپ کے حکم سے میں اس وقت تک مہلت دیتا ہوں جب تک ان کے پاس رقم ہو، لہٰذا دیر ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کبھی تجھ کو معزول نہ کروں گا۔

۲۔ بعض قدیم اور جدید حکومتوں میں لگان کے سوا، "رواج و رسوم" کے مطابق کچھ رقم وصول کی جاتی تھی، اب بھی کی جاتی ہے اور بعض جگہ تحصیلدار جب اپنے ماتحت کو بھیجتے ہیں تو اس کی تنخواہ لگان کے سوا کاشت کاروں سے وصول کی جاتی ہے۔ اسلام میں صاف صاف ہدایات ہیں کہ کاشت کاروں سے لگان کے سوا اور کچھ وصول کرنا صریح ظلم ہے۔

۳۔ بعض حکومتیں زمینداروں سے اور زمیندار کاشت کار وغیرہ سے بیگار لیتے تھے، اور وہ غریب ان کی خدمت کرتے تھے۔ اسلام نے ان چیزوں کی سخت مذمت کی ہے، فقہا کہتے ہیں کہ مزارعت میں مستاجر و اجیر کے درمیان کاشت کاری و محنت کا معاملہ ہے۔ اس کے سوا کوئی بیگار نہ لی جائے۔ اس کو ظلم قرار دیا ہے۔ حدیث نبویؐ میں اس کی صریح مخالفت ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے تفصیل سے بیگار کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کو ظلم بتایا ہے۔

۴۔ ایران و روم کی حکومتوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ تہواروں، غمی و شادی اور مکان وغیرہ بننے کے مواقع پر کاشت کاروں سے نذر لی جاتی تھی جس کا آج بھی بعض زمینداروں کے یہاں رواج ہے۔ اسلام نے اس جبر و ظلم کا انسداد کیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ نذر کس لیے، اسلام نے اس کو ربٰو اور سود قرار دیا ہے۔

۵۔ اسلام سے قبل یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ زمین کو لگان پر دینے سے قبل کاشت کار اس سے ایسا معاملہ

کرتے تھے کہ جس سے زمین کی حیثیت مستقل طور سے بڑھ جائے اور جو کام یا ذمہ داری خود اپنے پر عائد ہے، وہ بھی کاشت کار پر ڈال دی جائے، اس کو بھی اسلام نے پسند نہیں کیا، فقہ اسلامی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۶۔ اگر کبھی کسی ارضی و سماوی آفت کی بنا پر پیداوار ٹھیک نہیں ہوئی تو خراج اور لگان کے لیے زمین اور آلات وغیرہ نیلام ہوتے ہیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اس کے یہاں کاشت کاری وغیرہ کے آلات نیلام نہیں ہوتے، وہ مہلت دیتا ہے۔

۷۔ زمیندار سرکاری زمین پر جو اچھی ہو، کم ٹیکس دے کر چراگاہ وغیرہ بناتے ہیں جس سے غریب کاشت کاروں کو دقت پیش آتی ہے، اسلام نے اس ظالمانہ طریقے کو روکا۔ اس نے حکومت کو صرف یہ حق دیا ہے کہ صدقات و جہاد کے مویشیوں کے لیے چراگاہ محدود کرے۔

۸۔ زمیندار خود رو گھاس، تالاب کے پانی اور خشک لکڑی پر خود قابض رہتے تھے، اسلام نے ان چیزوں کے لیے سب کا حق تسلیم کیا۔

بعض بنیادی اصول

۱۔ اگر کوئی زمین پانی میں غرق ہو جائے یا خشک سالی سے قابلِ زراعت نہ رہے یا کسی آفت سے کھیتی تباہ ہو جائے تو اس سال کا خراج (مال گزاری) معاف ہے۔ اگر کچھ نقصان پہنچا ہے تو بقدرِ نقصان معافی ہوگی۔ خلیفہ کل خراج بھی معاف کرسکتا ہے۔

(۲) اگر کاشتکار نے حکومت یا زمیندار سے زمین مزارعت پر لی ہے تو بھی یہی صورت ہے۔

(۳) اگر زمین کو نقد لگان (کرار الارض) پر لیا ہے تو بھی یہی صورت ہے۔ بعض آئمہ فقہا نے اس پر اختلاف بھی کیا ہے۔

(۴) اگر کاشت کار زمین کا خود مالک نہیں ہے اور درمیان میں زمیندار ہے تو مال گزاری زمیندار کے ذمے ہے نہ کہ کاشت کار کے ذمے۔

(۵) اگر زمین سرکاری ہے اور کاشت کار مقررہ لگان (کراء الارض) ادا کر رہا ہے تو اس کو بے دخل نہیں کیا جائے گا اور یہ اس کا ذریعہ معیشت ہے، جس سے اس کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

بنجر زمین کو مزروعہ بنانا

زراعت کو ترقی دینے کے لیے سب سے اہم چیز بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنانا ہے۔ ریتلے، سخت

اور چٹیل میدان کو قابلِ زراعت بنا کر خام پیداوار سے ملک کی پیداوار کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ بنجر زمینوں کو مزروعہ بنانے کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ کہ خلیفہ افرادِ ملک کو ترغیب دے اور اعلان کرے کہ جو بنجر زمینوں کو قابلِ زراعت بنائے گا وہ اس کی ملک ہے۔ عربی میں اس کو اقطاع اور اُردو میں جاگیر کہتے ہیں۔ اس اعلان سے مسلمان اور ذمی دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بعض صورتوں میں خلیفہ ایک یا دو سال کا لگان بھی معاف کر سکتا ہے، لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

(۱) وہ زمین فنائے شہر میں شامل نہ ہو یعنی عام ضروریات کے کام میں نہ آتی ہو۔

(۲) اگر کسی نے تین سال تک اسے بنجر پڑا رہنے دیا ہے تو وہ کسی دوسرے کو الاٹ کر دی جائے گی۔ چنانچہ اس قسم کی جاگیر کا حصہ حضرت عمرؓ نے واپس لے لیا جو کہ بلال بن حارث کو ملی تھی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ زمین کنواں، باؤلی، تالاب اور چشمے کی حریم یعنی ملحقہ زمین نہ ہو جو کہ پانچ سو مربع گز تک ہو سکتی ہے۔

بنجر زمینوں کو آباد اور کار آمد بنانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حکومت اپنی نگرانی میں کاشت کرائے اور وہ اس کی ملکیت ہو۔ ایسی زمینوں کے متعلق احکام یہ ہیں کہ ذمی کے پاس ایسی زمین ہو تو خراج لیا جائے گا اور اگر مسلم کے قبضے میں ہو، تو امام ابو یوسف اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر وہ زمین عشری زمینوں سے ملحق ہو تو خراج لیا جائے گا۔

وسائل آب پاشی کی بہم رسانی اور سہولت

زراعت کی ترقی اور وسعت کے لیے چوتھا ذریعہ سہل الحصول اور وسیع بنانا ہے، اسی لیے زراعتی ترقی میں نہروں اور آب پاشی کے کنوؤں کو بہت دخل ہے۔ اسلام نے اس کی اہمیت تسلیم کی ہے اور اس کے لیے چند اصول مقرر کیے ہیں۔

۱۔ تالاب، نہر، کنواں اور چشمے اگر شخصی ملکیت نہیں ہیں تو ان میں تمام لوگوں کو یکساں حقِ انتفاع حاصل ہے، اور وہ کسی حال میں شخصی ملکیت نہیں بن سکتے۔

۲۔ اگر پانی شخصی ملکیت میں ہو، اس وقت بھی عام حالات میں پینے اور استعمال کرنے کے لیے دوسروں کو اس سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے، کیونکہ پانی اپنے مقام میں کسی کی شخصی ملکیت نہیں اور نہ اس حالت میں اس کی خرید و فروخت جائز ہے، لیکن پینے اور نہانے کی ضرورتوں کے علاوہ

آب پاشی کے لیے مالک کی اجازت ضروری ہے۔ اس کو اخلاقی طور سے اجازت دینی چاہیے۔ اگر خود اس کا نقصان ہو تو وہ روک بھی سکتا ہے۔

۳۔ آب پاشی کے لیے کثرت سے نہریں کھدوائی جائیں، ان کا تمام خرچ بیت المال پر لازم ہے، اگر بیت المال میں گنجائش نہیں ہے تو اہلِ دولت سے وصول کیا جائے۔

۴۔ اگر چھوٹی چھوٹی نہریں عام مصالح آب پاشی اور بہم رسانی آب کے لیے نہ بنائی جائیں بلکہ اہلِ محلہ اور اہلِ قصبہ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے بنانا چاہیں تو اگر اس میں مصالح عامہ کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو خلیفہ ایسی خصوصی نہروں کی اجازت دے سکتا ہے۔ البتہ ان کے اخراجات حکومت پر نہیں ہوں گے۔

۵۔ آب پاشی کی نہریں اور کنوئیں مصالح عامہ اور معاشی وسائل کی ترقی کے لیے ہیں نہ کہ حکومت کی آمدنی کے لیے، اس لیے حکومت کو محصول آب پاشی نہیں لینا چاہیے۔ اگر لینا چاہے تو صرف اس قدر لے جس قدر کہ ان نہروں اور کنوؤں کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ انتظامات کا مکمل خرچ بیت المال پر ڈالا جائے۔

بہرحال ان صورتوں کے پیشِ نظر خلافتِ فاروقی میں اس محکمے پر خاص طور سے توجہ دی گئی، نہریں جاری کی گئیں، بند باندھے گئے، کنوئیں کھودے گئے، چھوٹی نہریں نکالی گئیں۔ کوفے کے علاقے کی نہرِ سعد اور مصر کی نہرِ امیر المومنین مشہور نہریں ہیں۔ دورِ فاروقی کے بعد نہرِ اساورہ، نہرِ عمرو اور نہرِ حرب وغیرہ کا نام اکثر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

معارف حدیث اردو ترجمہ معرفۃ علوم الحدیث : از مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

"معرفۃ علوم الحدیث" فنِ حدیث کی ایک بڑی گراں قدر تصنیف تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے مصنف امام ابو عبداللہ الحاکم نیساپوری (۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ) ہیں۔ اس میں احادیث کی قسمیں، راویانِ احادیث کے مراتب اور ان کے حالات، نیز اس سلسلے کی دوسری معلومات سب آگئی ہیں۔ اس کتاب سے فن حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

صفحات : ۳۳۸ قیمت : -/۱۲ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور